خطبات حکیم الامت ج ۱۶

برکات رمضان

وعظ

تطہیر رمضان

یعنی

ماہ رمضان کے

آداب واحکام

خطبہ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ

امابعد:۔ بوجہ قرب رمضان شریف مناسب ہے کچھ احکام اس کے بیان کر دیئے جائیں یہ تو معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے اس کے بیان کی تو ضرورت نہیں اور ایسے ہی تراویح سنت مؤکدہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔

منکرات روزہ: البتہ ضروری مضمون یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس مہینہ میں کچھ منکرات بڑھا دیئے ہیں اور وجہ اس کی یا تو عدم علم ہے یا قصور علم یا جانتے بھی ہیں مگر احتیاط نہیں کرتے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ میاں نے اس مہینہ میں ان چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو پہلے حلال تھیں۔ کیا یہ اس بات پر دال نہیں کہ جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس میں اور شدت زیادہ ہو جائے گی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے تو علت بیان کی روزہ رکھنے کی لعلکم تتقون روزہ اس واسطے ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب ہر شخص غور کرلے کہ قبل رمضان میں اور رمضان میں کچھ فرق اس کی حالت میں ظاہر ہوا اس نے نظر بد کو یا غیبت کو چھوڑ دیا یا نہیں، سو کچھ نہیں دونوں حالتیں یکساں ہیں کسی بات میں بھی کمی نہیں ہوئی۔ اب رہا کھانا سو اس کے بھی وقت بدل دیئے۔ مقدار میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ شارع علیہ السلام کا تو مقصود یہ تھا کہ منکرات میں کمی ہو۔ مگر لوگوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ اہل تحقیق تو کھانے تک میں بھی کمی کر دیتے ہیں۔

اس مہینہ میں بہ نسبت شعبان کے مگر اس کی مقدار کچھ معین نہیں ہو سکتی ہے۔ جتنا شعبان میں کھاتے تھے اس سے کم کر دیا۔ بعض نے صرف بقدر لا یموت (اتنی مقدار جسے کھا کر انسان زندہ رہ سکے) کھا کر روزہ رکھا۔ جب ہی تو کچھ اثر پایا ہمیشہ اچھی طرح کھایا ایک مہینہ عبادت ہی کے واسطے کمی۔ حاصل یہ کہ ان لوگوں نے اکل (کھانے) میں بھی کمی کر دی۔ مگر یہ بات مندوب (مستحب) ہے خواص کے لئے ہے یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا ہے مگر معاصی تو چھوڑو۔ خیر کھانے کے لئے جواز کا مرتبہ تو ہے معاصی کے واسطے جواز بھی نہیں۔ ہم برخلاف اس کے دن بھر معاصی میں مشغول رہتے ہیں بلکہ بعضے تو عصیان (گناہ) میں اور زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کو دیکھ لیجئے کہ صبح کی نماز اس مہینہ میں اپنے وقت پر ہوتی ہے یا نہیں،

اس نماز کی تو وقت سے تاخیر کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ بہتیروں کی تو قضا ہوتی ہے اور قضا نہ بھی ہو تو اس قدر تاخیر تو ہوتی ہے جس سے جماعت فوت ہو جائے۔ خوش ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا بڑا تعجب ہے کہ نماز کو چھوڑ دیا۔ روزہ کیا کفایت کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کو اس قدر بڑھا دیا کہ دس ضعف (گنا) ثواب کا وعدہ فرما دیا اور ہم اس قدر گناہ کرتے ہیں کہ حسنات باوجود اتنے بڑھائے جانے کے بھی سئیات کے برابر نہیں ہوتیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حسنات کی تعداد بڑھی ہوتی رہتی۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ برابر تو رہتی کہ پھر بھی حسنات بموجب سبقت رحمتی علی غضبی (مسند الحمیدی: ۱۱۲۶ اتحاف السادۃ المتقین ۸: ۵۵۶ الدرر المنتشرہ: ۹۶) کے غالب ہو جاتیں

اور جب باوجود اضعافاً مضاعفہ (کئی گنا) ہونے کے بھی نیکیاں گناہوں کے برابر نہیں ہوتیں بلکہ گناہ بڑھتا رہتا ہے تو پھر کیا حشر ہونا ہے۔ اچھا اس کو بھی جانے دیجئے اگر ہمیشہ ہم اس پر قادر نہیں کہ معاصی کو گھٹادیں، رمضان میں تو ایسا کر لیا جائے۔

ماہ رمضان کی عبادت کا اثر تمام سال رہتا ہے

تجربہ سے ثابت ہوا کہ عبادت کا اثر اس کے بعد گیارہ مہینے تک رہتا ہے جو کوئی اس میں کوئی نیکی بہ تکلف کر لیتا ہے اس کے بعد اس پر بآسانی قادر ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی گناہ سے اس میں اجتناب کر لے تمام سال بآسانی اجتناب کر سکتا ہے اور اس مہینہ میں معصیت سے اجتناب کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔

پس جب شیاطین قید ہو گئے۔ معاصی آپ ہی کم ہو جائیں گے۔ محرک کے قید ہو جانے کی وجہ سے اور یہ لازم نہیں آتا کہ معاصی بالکل مفقود ہی ہو جائیں کیونکہ دوسرا محرک یعنی نفس تو باقی ہے اس مہینہ میں وہ معصیت کرائے گا مگر ہاں کم اثر ہو گا کیونکہ ایک ہی محرک رہ گیا۔ اس میں ایک مہینہ کی مشقت گوارا کرلی گو چاہے کوئی بات نہیں۔

غرض اس میں ہر عضو گناہ سے بچایا جائے۔

کذب

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک ان میں سے کذب ہے جس کو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے۔ اور کذب وہ شئے ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں اور پھر اس کو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں۔ ذرا سا بھی لگاؤ کذب کا ہو جائے بس معصیت ہو گئی یہاں تک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ لے یہاں آؤ چیز دیں گے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آجائے تو کیا چیز دو گی۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں فرمایا اگر تمہاری نیت میں کچھ نہ ہوتا تو یہ معصیت لکھ لی جاتی۔ حضرات کذب یہ چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر اس سے احتراز نہ ہو سکے تو کذب مضر سے تو بچنا چاہیے۔

غیبت کے نتائج

اور پھر روزہ میں دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اس کے منہ پر کہہ دیں۔ منہ پر عیب جوئی کرو گے تو بہت اچھا کرو گے اور پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہے۔ بلکہ اگر منہ پر برا کہو گے تو بدلہ بھی تو پاؤ گے۔ وہ شخص تمہیں برا کہہ لے گا یا اپنے اوپر سے اس التزام کو دفع کرے گا۔ پیچھے برائی کرنا تو دھوکے سے مارنا ہے۔

یاد رکھو جیسا کہ دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو ہے۔ چنانچہ جب آبرو پر آبنتی ہے تو مال تو کیا چیز ہے۔ جان تک کی پرواہ نہیں رہتی۔ پھر آبروریزی کرنے والا کیسے حق العبد سے بَری ہو سکتا ہے۔ مگر غیبت ایسی رائج ہوئی ہے کہ باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں۔ اس سے بچنے کی ترکیب تو بس یہی ہے

کہ کسی کا بھلا یا برا اصلاً ذکر ہی نہ کیا جاوے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جاوے کسی کا تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہنچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں۔ اور اس طرح ایک خیر اور ایک شر مل جانے سے وہ خیر بھی کالعدم (گویا موجود ہی نہیں) ہو گئ اور حضرات اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے دوسرے کی کیا پڑی۔ علاوہ بریں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی مضر ہے۔ جب دوسرا آدمی سنے گا تو عداوت پیدا ہو جائے گی اور پھر کیا ثمرات اس کے ہوں گے۔ اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں۔ سب سے بچنا ضروری ہے۔

غلطی ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ حلال رزق نہیں ملتا
ان کے علاوہ ایک گناہ جو خاص روزے کے متعلق ہے۔ افطار
علی الحرام ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینہ میں
حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور پھر دن بھر تو
اسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں۔
اور دراصل بعض لوگوں نے خبط میں ڈال دیا ہے یوں کہتے
ہیں کہ رزق حلال تو پایا نہیں جاتا۔ سوائے اس کے کہ دریا
میں سے مچھلی شکار کر کے کھائی جائے یا سبزی کھا کر یا گھانس
چر کر پیٹ بھر لیا جائے اور کچھ قصے اس کے متعلق مشہور کئے
ہیں وہ ایک بزرگ کا قصہ بیان کیا کرتے ہیں کہ ان کا بیل
لڑتے لڑتے دوسرے کے کھیت میں چلا گیا تو انہوں نے اس
کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا کہ نہ معلوم دوسرے کے

کھیت کی مٹی جو میرے بیل کے کُھر میں لگ کر بلا اجازت چلی آئی کون سے دانہ میں شامل ہو گئی ہو۔ اگر یہ قصہ ہوا ہے تو وہ صاحب حال ہے دوسروں کے لئے ان کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ قصداً اتنا مبالغہ کرنا تقویٰ کا ہیضہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب اتنے شبہ کو بھی حرام میں داخل سمجھا جاوے گا اور اس سے بچنا ظاہر ہے کہ مشکل ہے تو گمان یہ ہو گا کہ حرام سے بچنا مشکل ہے پس سب حراموں میں مبتلا ہو گئے اور حلال کو بالکل چھوڑ ہی دیا۔ میں کہتا ہوں کہ کنز وہدایہ بالکل لغو ہی ہیں جب یہی بات ٹھہری کہ حلال کا وجود ہی نہیں تو ناحق اتنا بسط کیا صرف اتنا کافی تھا کہ الحلال لایوجد (حلال کا وجود ہی نہیں)۔ ہر گز نہیں جس پر کنز وہدایہ فتویٰ دیدیں وہ حلال ہے میں کہتا ہوں کیا سب علماء حرام خور ہیں۔

ایک بزرگ تھے مولانا مظفر حسین صاحب ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو مال حرام دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہو جایا کرتی تھی اور پھر بھی وہ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں ضرور ہے۔ ورنہ وہ کیا کھاتے تھے۔ اگر فرض کیجئے کہ مال حرام ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو یہ نفرت نہیں ہو سکتی یا یہ کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہوں گے تو کھانا فضول ہے۔ منشاء اس قول کا کہ حلال روزی نہیں ملتی ہے غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے جو مسائل دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں، اور یہ فساد پیدا کا ہے سے ہوا کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے حتی کہ اس کے عادی ہو گئے۔ اب جو کسی نے منع کیا تو اس کا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا۔

پس کہہ دیا کہ میاں یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھی حلال کو حرام ہی کہا کرتے ہیں ان کی تو غرض یہی ہے کہ مال نہ بڑھے اور مسلمانوں کو ترقی نہ ہو۔ بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیز حرام ہی ہے۔ حلال کا وجود ہی نہیں جو حلال تھا وہ بھی حرام ہی سمجھنے لگے۔ اور خوف سے مفتی کے پاس جانا چھوڑ دیا کہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے کس معاملہ کو حرام بتادیں یا حلال بتائیں تو ہماری خاطر ہی سے شاید کہہ دیں اور فی نفسہ حرام ہی ہو گا کیونکہ حلال کا تو وجود ہی نہیں سو یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جس کو مفتی مباح کہے وہ عند اللہ مباح ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔ شیطان کے بہت سے جال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ سب حرام ہے۔ پھر بعض لوگ حرام و حلال میں خواہ مخواہ شبہ کر کے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

کہ جب اس میں وسوسہ ہے تو چھوڑ ہی دو چاہے مفتی کتنا ہی کہے کہ یہ حلال ہے مگر وہ اس کے چھوڑنے ہی کو اولی سمجھتے ہیں۔ نہیں اس فعل میں کچھ حرج نہیں جو مباح ہے۔ اہل علم سے پوچھ لو کہ کوئی وجہ اس میں اباحت کی بھی ہے وہ کوئی ظالم نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ یہی چاہتے ہوں کہ تم کو دقت میں ڈالیں اور یہ خیال مت کرو کہ وہ حلال موجود ہی نہیں پوچھ لو۔ پھر جس سے وہ منع کریں اس پر عمل کرنے کے لئے ہمت باندھو۔

نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی ہی کرے تو اس سے یوں کہو کہ یہ جو حکام وقت کے احکام ہیں ان کو کس طرح مانتا ہے اس کو بھی حاکم حقیقی کا حکم سمجھ کر مانو پھر دوسرے لوگ بھی ان شاء اللہ تم سے معارضہ نہ کریں گے، میرا ہی خود قصہ ہے کہ کبھی زیور بنواتا تو چونکہ چاندی کے واسطے روپیہ دینے سے ربوا لازم آ جاتا ہے اس لئے جب بھی زیور بنوانے کا اتفاق ہوتا تو میں چاندی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دے دیتا دو ایک مرتبہ تو اس نے کہا کہ روپیہ دے دو پھر تول کر حساب کر دینا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ یہ میرے دین کے خلاف بات ہے۔ پس اس نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا۔ تو لوگ سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہیے۔ اور اللہ میاں کی طرف سے اسباب ویسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔

خیال کر لیجئے کہ حاکم جب کسی کو امر شاق کا حکم دیتا ہے تو اس پر مامور کی اعانت بھی کیا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ دل کو مضبوط کرو اور اس پر عزم کر لو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کریں گے ہاں اس پوچھنے سے بعض صورتیں عدم جواز کی بھی نکلیں گی اور اس میں آمدنی کبھی کم ہو جاوے گی تو خوب سمجھ لو اور تجربہ کر لو کہ اس کم ہی میں برکت ہو جاوے گی۔

رزق میں برکت کے معنی

اور اس کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گیہوں لائے اور گھر پر آکر دو من اترے ممکن تو ایسا بھی ہے ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپئے رکھے تھے۔ اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں سے ہی ہاتھ

ڈال کر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا۔ حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں۔ بلکہ اس کے معنی اور ہیں اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمہارے ہی صرف میں آئے بیماری میں خرچ نہ ہو اور ایسے ہی فضول خرچیوں میں، مقدمات میں لاطائل (بے فائدہ) کے تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمہاری ذات پر صرف ہو چاہے تھوڑا ہو اس سے بہتر ہے کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو۔ حضرات! اللہ میاں کی رضا وہ چیز ہے کہ جس کی نسبت ایک بزرگ کہتے ہیں۔

بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست

دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر ان کی خوشنودی دیرپا نہیں۔ ذرا سی بات پر بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم شکور (قدر دان) ہیں۔

خیال کیجئے اس لفظ کو۔ ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لے جایئے اور وہ اس کی نسبت منظوری وعدم منظوری کچھ ظاہر نہ کرے مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دے دے کہ رکھ لو تو لے جانے والے کے دماغ آسمان پر پہنچ جاویں گے اور سناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا ہے اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لے جاتے ہیں اور ذرا ان اعمال کو بھی دیکھ لیجئے کہ وہ کس قابل ہیں۔

٭ہماری نماز کی مثال٭

ایک نماز ہی کو لے لیجئے اس وقت نظیر کے واسطے کہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ میاں سے باتیں کرنے کو اور کرتے ہیں کس سے گاؤ خر سے۔ یا یوں مثال دیجئے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو دربار میں حاضری کی اجازت دی بلکہ یوں کہئے کہ زبردستی طلب کیا (ہم لوگ ایسے بھلے مانس تو کاہے کو ہیں کہ حاضری کی اجازت سے ہی دربار میں پہنچنے کو غنیمت سمجھیں) زبردستی بلائے ہوئے بلکہ پابند زنجیر ہو کر دربار میں پہنچے اور کام ہم سے کیا ہے کہ بادشاہ کو ان پر رحم آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ان سے دربار میں کچھ گفتگو کرنے کہ درباریوں اور تمام رعایا میں ان کی عزت ہو جائے اپنا کچھ نفع مقصود نہیں۔ من نکردم خلق تا سودے کنم

بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

(میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ میں ان سے فائدہ حاصل کروں بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ ان پر جود و کرم کروں)

ہائے..

من نکردم خلق تا سودے کنم۔ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

اللہ میاں کا کیا نفع ہے ہمارے پیدا کرنے یا عزت دینے سے خیر ان حضرات نے کیا مکافات کی اس بلانے کی کہ پہنچتے ہی منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے اور کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ مگر بادشاہ تو کم ظرف نہیں ہے اس گستاخی پر نظر نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے اپنے خادموں کو کہ اس بیوقوف کی انگلیاں کانوں سے نکال دو بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے اور منہ اس کا ہماری طرف کر دو اور جلدی سے کچھ شفقت آمیز کلمات زبان سے فرمانے لگے کہ ایک دفعہ تو اس کے کان میں پڑ جائیں دیکھیں تو معلوم کیسے نہیں ہوتا

مگر یہ تو قسم کھا کر چلے ہیں کہ الٹا ہی کریں گے۔ چٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے جلدی سے اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں پڑ جائے۔ اس جگہ سے بھاگ کر اصطبل میں گھوڑے کے پاس جا چھپے وہاں آدمی پکڑنے کے لئے پہنچا۔ گدھے کے پاس جا چھپے۔ غرض ایک گھنٹہ بھر یہی کیفیت رہی کہ یہ بھاگ گئے اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ۔ اللہ اکبر۔ ان کے پیچھے پھرا کیا۔ مگر انہوں نے وہی کیا جو شامت اعمال سے ہونا تھا۔ اب فرمایئے کہ یہ شخص کسی سزا کا مستحق ہے یا بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہیے۔ یہ تو اس قابل ہے اگر ایک دفعہ بھی یہ حرکت اس نے کی ہے تو توہین بادشاہ کے جرم میں اس کو لے لیا جائے اور کبھی دربار کی حاضری کی اجازت نہ ہو۔

ہماری نماز پر سزا نہ ہونا غایت رحمت ہے

اب آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کے لئے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثنا، تھوڑے سے وقتوں کے) مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہنچی۔ یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے۔ برا بھلا وضو کیا اور با کراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے۔ کھڑے ہوتے ہی منہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں۔ دھوکا دینے کے واسطے آداب شاہی بجالا رہے ہیں یعنی سبحانک اللھم (اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے) پڑھا اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی اور کلام شروع کیا۔

چنانچہ الحمدُ للہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں) پر جواب ملنا حدیثوں میں آیا ہے۔ ذراسی بھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آکر دم لیا کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پھرا کئے۔ مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا غرض یہی مسخراپن کیا کئے یہاں تک کہ بہ مشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہنچی یعنی سلام پھیرا۔ بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہم کلامی سے بچ گئے جانے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا۔ یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے۔

صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہیے تھی یا نہیں، جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو بھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا

اور فورا دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور حبس دوام کا روبکار جاری ہو جاتا۔ مگر سنئے کہ اللہ میاں سے کیسا روبکار جاری ہوا کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا (تمہاری کوشش قابل قدر رہے) اس نے دربار میں آکر اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا مر جانے کی بات ہے اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں۔ اور جو وہاں حاضر تھے انہوں نے بھی خوب دیکھا۔ بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے اور فرماتے ہیں "فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ؕ" وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو خداوند کریم نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔ گویا یہ بیوقوف ہے کتنی ہی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھ لیتے ہیں۔ اور اس کی وہی عزت کی جائے جو باقاعدہ آنے والے کی کی جاتی ہے۔

اب فرمائیے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اسی طرح وحشیانہ طریق سے دربار میں جاوے ہر گز نہیں بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینہ میں غرق ہو جائے گا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سینکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفاکاری کرتے ہیں مگر ادھر سے مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان لنگڑے لولے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جا سکتا ہے بداعمالیوں کو) میں بھی کسی اور کوتاہی ہے بلکہ خدا تعالی کے محرمات کی طرف میلان ہے۔ صاحبو! ذرا شرماؤ اور عمل کرو اور حرام سے بچو۔ خاص کر رمضان کے مہینہ میں۔

تراویح کی منکرات کا بیان

یہ منکرات تو روزہ کے ہوئے۔ اب ایک عمل اور ہے خاص رمضان کا جیسے دن کا عمل روزہ ہے ایسے رات کا عمل قیام ہے۔ اس میں یوں خبط کر دیا کہ تراویح کی بیس رکعت گنتی میں تو پوری کر لیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان میں توریت پڑھی جاتی ہے یا انجیل پڑھی جاتی ہے۔ یا تو شروع کا حرف سمجھ میں آتا ہے یا رکوع کی تکبیر ایک حافظ کا قصہ ہے کہ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے جہاں بھولے وہاں کچھ اپنی تصنیف سے پڑھ دیا۔ بڑی تعریف ہوتی رہی۔ مدتوں کہ ان کو کہیں تشابہ نہیں لگتا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ صاحبو اللہ میاں کو دھوکہ مت دو۔ بیس رکعتیں گنا کر ذرا ڈھنگ سر بھی تو کر لو۔ ایک یہ ظلم ہوتا ہے کہ حافظ مقتدیوں کو بھگاتا ہے اس طرح کہ قراءت کو اتنا طول دیتا ہے کہ

کوئی ٹھہر ہی نہ سکے۔ پانچ پانچ سپارے ایک ایک رکعت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم تو فرماتے ہیں بشر اولا تنفر اویسرا ولا تعسرا۔ خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔ ہاں ایسا ہی شوق ہے تو تہجد میں پڑھو جتنا چاہو اور اس میں اور جس کا جی چاہے شریک ہو جائے۔ مگر اس میں بھی امام کے علاوہ تین سے زیادہ جماعت میں نہ ہوں کہ فقہاء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ پھر نفل میں فرض کا سا اہتمام ہو جائے گا۔ بعضے لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں۔ اس میں تو کئی بدعتیں ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین۔ امام تو داد ملنے کے امید وار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیراا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی

تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا حدیث شریف میں منہ پر تعریف کرنے والے کے لئے حکم ہے کہ اس کے منہ میں خاک جھونک دو اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرنے والے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا یاد نہیں۔ اور مہتمم تو سامعین میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ چائے پانی ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قراءت وسماعت۔ قرآن میں ایک شے البتہ چائے سے مدد مل جاتی ہے سماعت اور قراءت میں۔ مگر جب ذریعہ مقصود میں مخل ہوئے تو ذریعہ کہاں رہا اور یہ بھی جانے دیجئے مہتمم صاحب کو تو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ ہمارے یہاں فلانی مسجد سے اہتمام اچھا رہا۔

بس چاہئے پانی اچھا رہا۔ مگر اصل سے تو اچھی نہیں رہی اور رہے سامعین تو انصاف سے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن شریف سننے کے لئے آتے ہیں یا نماز کے ساتھ دل لگی کرنے کو کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں۔ کچھ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی کچھ لوگ بیٹھ بھی نہ سکے تو نیت توڑ کر لیٹے لیٹے سن رہے کریں بھی کیا بیچارے گھنٹوں تک کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں اور بعضے جو اپنے اوپر جبر کر کے کھڑے بھی ہیں تو امام کی زلتون (غلطیوں) کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ وہ خواہ کیسی ہی غلطی کرتا چلا جائے بتلا نہیں سکتے کیونکہ حرج ہو گا اور قرآن شریف ختم سے رہ جائے گا اور بعض تو یہ غضب کرتے ہیں کہ خارج صلوۃ سے لقمہ دیئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر امام نے لیا تو نماز سب کی فاسد ہوئی

اور نہ لیا تو وہ غلطی اگر مغیر معنی (معنی کو بدلنے والا) ہے تو نماز فاسد ہوئی۔ اب ان سامعین کا گھنٹوں سے اپنے اوپر جبر کرنا بالکل ضائع گیا۔ علیحدہ بیٹھ کر سنا اور یہ برا ہوا اور تکلیف مفت میں ہوئی۔ غرض لقمہ لینے کی صورت میں بھی معصیت ابطال عمل کی (عمل کو باطل کرنا) لازم آئی اور نہ لینے سے بھی نماز فاسد ہوئی ان سب صورتوں کو ملا کر آپ ہی کہہ دیجئے کہ نماز ہے یا کھیل۔ احکام ظاہری کے لحاظ سے بھی تو نماز صحیح نہ ہوئی۔ خشوع و خضوع کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور ایک خرابی شبینہ میں یہ بھی ہے کہ اکثر نفل کی جماعت لازم آتی ہے کیونکہ بعض ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو تراویح کی جماعت میں کرتے ہوں کیونکہ سب مقتدیوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اول سے آخر تک شریک رہیں اور اس کو تراویح رکھیں۔

اس لئے تراویح علیحدہ پڑھ لیتے ہیں پھر نفلوں میں اس کو پڑھتے ہیں اور نفلوں میں جماعت مکروہ ہے۔ غرض بہت سے منکرات اس شبینہ میں لازم آتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حفاظ اپنا اپنا پڑھنے کے بعد مغالطہ دینے آتے ہیں۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سننے کو آئے ہیں اور یہ بے ادبی نہیں ہے اور ایسے ہی بہت سے بدعات ہیں۔ہاں اگر شبینہ میں ختم ہی مد نظر ہے (مگر اخلاص کو غور کر لیجئے گا) تو امر حسن ہے اس میں بھی اعلان کی ضرورت نہیں تاکہ ریاء وسمعہ سے خالی رہے جتنی ہمت ہو قرآن شریف پڑھو۔ امام کو گڑبڑ میں نہ ڈالو اور سب منکرات مذکورہ سے بچو۔

عورتوں کو نامحرم کا قرآن سنانا بھی خالی از قباحت نہیں ہے
ایک بدعت رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں
جاکر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔ اس میں چند قباحتیں
ہیں۔ ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا
قصد کرے عورت کے لئے ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کی
آواز مرد کے لئے۔ اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد
تلاش کئے جاتے ہیں۔ اور حافظ صاحب بھی مردوں کی
جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے ہیں یہاں خوب بنا بنا
کر ادا کرتے ہیں۔ سو عورتوں کے لئے جماعت کی ضرورت
ہی کیا ہے۔ اپنی اپنی الگ پڑھ لیں اور کچھ ضرورت محراب
سننے کی نہیں ہے اگر حافظ ہیں تو فرادی (تنہا تنہا) اپنی
تراویح میں ختم کرلیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم ترکیف

پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہو سکے پڑھ لیا کریں۔ کیوں روپیہ خرچ کر کے گناہ مول لیا۔ دوسری بدعت اس میں استیجار علی العبادۃ ہے۔ یعنی حافظ صاحب سے اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے اور استیجار علی العبادۃ حرام ہے۔ قبر پر اجرت دے کر قرآن خوانی کرنا حرام ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قبر پر جا کر حافظ کو مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی استیجار علی العبادۃ ہے اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ علماء نے میت کا ثواب ہی بند کر دیا۔ ہم کہتے ہیں اس کا ثواب ہی نہیں پہنچتا پھر بند کیا کر دیا کیونکہ ثواب پہنچنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول عمل خیر کرنے والے کو ثواب ملتا ہے پھر اس کو اختیار ہے جسے چاہے بخش دے جیسے اپنا مال جسے چاہے دے

اور یہاں خود کو ہی ثواب نہیں ملا تو بخشا ہی کیا۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ثواب کی بات ہے اور اجرت لینا گناہ تو ایک معصیت اور ایک ثواب ہو گیا تو ثواب پہنچ جائے گا اور گناہ ہمارے ذمہ رہ جائے گا پھر ہم توبہ کر لیں گے تو یہ عمل حسن رہ گیا، تو ہم کہیں گے انما الاعمال بالنیات (کاموں کا مدار تو نیتوں پر ہے)۔ قاری کی نیت دیکھ لیجئے کہ استحصال مال ہے نہ ثواب۔ پھر تواب کہاں جب اسی کو ثواب نہ ملا تو دوسرے کو کیا بخشے گا۔ بعض لوگ یہاں کہتے ہیں کہ یہ استیجار نہیں کیونکہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے جو ہمارے مقدر میں پہنچتا ہے۔

سبحان اللہ المعروف کالمشروط جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا وسط رمضان ہی میں حافظ صاحب

چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ ثابت ہوا کہ مقصود حافظ صاحب کو اجرت ہی ہے ختم سے بحث نہیں۔ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو اور اس جگہ رواج بھی دینے کا نہ ہو تو جو کچھ ہدیہ قبول کیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ ان کو ان کی ضرورت کے موافق بطور ہدیہ دے دیا کرو اور چونکہ اس طرح سے دینے کی عادت نہیں اسی وجہ سے ان کی نیتوں میں فساد پیدا ہو گئے۔ اگر بلا سوال و حیلہ ان کے دے دیا جایا کرے تو نوبت کاہے کو آئے۔

ایک طالب علم کی حکایت

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ وہ ایک جگہ پڑھنے گئے کھانا مقرر نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک موت ہو گئی اوروں کے لئے تو غمی تھی مگر اس بیچارہ کے لئے عید کا دن آگیا۔ ان کا کھانا چالیس دن کے لئے مقرر ہو گیا۔ یہ غنیمت سمجھا۔ جب چلہ قریب ختم کو پہنچا تو فکر ہوئی کہ پھر وہی فاقہ آتا ہے۔ اتفاق سے چلہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک اور موت ہو گئی۔ ان کے ایک چلہ کا سامان اور ہو گیا غرض اسی طرح کئی موٹے موٹے یکے بعد دیگر لڑھک گئے۔ ان طالب علم صاحب کو چاٹ لگ گئی اور ہر وقت انتظار میں رہنے لگے کہ کسی طرح کوئی مرے۔ ایک روز ایک شخص نے کہا کہ یہ طالب علم سارے محلہ کو اسی طرح کھا جائے گا ورنہ اس کا کھانا مقرر کر دو۔

کہیں اس طرح بھی اللہ میاں پہنچادیتے ہیں۔ غرض یہ نوبت بدنیتی کی کاہے سے پہنچی صرف مستحقین کے خبر نہ لینے سے۔ یوں تو کبھی سالن بھی ڈھنگ کا نہ ملے ہاں جمعرات کے دن حلوے آجائیں گے اور جو کوئی جمعرات کی تخصیص سے منع کرے تو برا معلوم ہو گا۔ صاحبو! کیا آٹھ دن کا کھانا ایک دن کھاسکتے ہو۔ طالب علم غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ ہفتہ بھر تک تو فاقہ کراؤ اور ایک دن اتنالا کر رکھ دو کہ کھانہ سکے۔ چاہیے کہ ان کی خدمت کر دی جایا کرے تاکہ ان کی نیت نہ بگڑے لوگوں نے تو اس کو بالکل چھوڑ ہی دیا اور سبب اس کا یہ ہے کہ خادمان دین کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں اس لئے نہ ان کی کچھ وقعت ہے نہ خدمت اور اسی وجہ سے یہ بھی رواج ہو گیا کہ مؤذن وہی ہوتا ہے جو کسی کام کا نہ ہو

لنگڑے لولے اپاہج جو کسی کام کے نہ رہیں وہ مؤذن بن جاتے ہیں پھر کوئی خبر نہیں لیتا۔ اس وجہ سے نیتیں بگڑ گئیں ایک میت کا چادر کسی نے ایک فقیر کو دیدیا تھا۔ مؤذن کو جو خبر لگی تو فوراً پہنچے کہ واہ صاحب میرا حق اس کو دے دیا۔ خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے اس میں بھی ہمارا حق اوروں کو دے دیتے ہو۔ بیشک یہی بات ہے بہت انتظار کے بعد یہ دن نصیب ہوتا ہے مگر اس میں اس کا قصور نہیں ہے بلکہ ایک محلہ کا قصور ہے۔ کیوں یہ نوبت پہنچائی اگر ہم لوگ مقرر کر لیں کہ گیارہ مہینہ میں اپنے کپڑوں کے ساتھ ایک کپڑا ان کو بھی بنادیں اور جہاں آپ کھاتے ہیں کبھی کبھی ان کی بھی دعوت کر دیا کریں اور اپنے خرچ کے روپیوں کے ساتھ ان کے لئے بھی کچھ روپیہ نکال دیا کریں۔

غرض غیر رمضان میں ان کی برابر خبر گیری کرتے رہا کریں۔

پھر رمضان شریف میں ان سے سوال کیا جائے کہ قرآن شریف سنا دیجئے تو کیا نہیں سناویں گے۔ ضرور اور بخوشی منظور کرلیں گے۔ اس میں استیجار علی العبادۃ وغیرہ کی کوئی قباحت نہ لازم آئے گی۔ غرض اجرت پر حافظ سے قرآن شریف پڑھوانا جائز نہیں اور ایسے ہی عورتوں کو گھروں میں سنانا نامناسب ہے، میں کہتا ہوں جب عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے تو عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف مباعدت ہے مردوں اور عورتوں میں اور یہاں اختلاط لازم آتا ہے۔ کیا حاجت ہے عورتوں کو قرآن ختم سننے کی جب شارع علیہ السلام ہی کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا تو ان کے ذمہ کچھ ضرور نہیں ہے بس الم ترکیف سے

اور ایک خرابی اور ہوتی ہے کہ جب ایک جگہ حافظ عورتوں کے سنانے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے تو سارے محلہ سے عورتیں آکر جمع ہوتی ہیں اور اس میں خروج بلاضرورت ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "المرأة عورة "عورت چھپانے کی چیز ہے۔

٭ ختم قرآن کے دن کثرت چراغاں کے منکرات ٭

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکت اسلام ہے ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکت اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجئے یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے خوب جان لیجئے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔

حضرت عمر کا قصہ

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ سنا ہو گا کہ جس وقت شام کو گئے ہیں اور نصاریٰ کے شہر کے پاس پہنچے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور سواری میں اونٹ تھا اس پر بھی خود سوار نہیں تھے۔ غلام سوار تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اظہار شوکت کا موقع ہے کم سے کم گھوڑے پر سوار ہو جایئے۔ آپ نے بہت اصرار سے منظور کر لیا۔ جب سوار ہوئے تو گھوڑے نے کودنا اچھلنا شروع کیا۔ آپ فورا اتر پڑے کہ اس سے نفس میں عجب پیدا ہوتا ہے (اللہ اکبر کیا پاکیزہ نفس حضرات تھے اپنے قلب کا خیال ہر وقت رہتا تھا) اور اظہار شوکت کے جواب میں فرمایا" نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام ہم وہ قوم ہیں کہ اسلام سے ہی ہماری عزت ہے۔ چراغوں سے کہیں شوکت ہو سکتی ہے۔

شوکت اسلام تو اسلام ہی سے ہے۔ اسلام کو کامل کرو۔ میں کہتا ہوں ٹٹول کر دیکھو دلوں کو کہ اگر کوئی اور شخص تمہارے سوا مساجد کی زینت کر دے تو تمہیں ویسی خوشی ہو گی جیسی کہ اس بات سے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے خرچ یا اہتمام سے زینت کی ہے غور کر لیجئے کہ نہ ہو گی بس معلوم ہوا کہ صرف اپنا نام جتانے کے لئے ہے۔ ورنہ اظہار شوکت، تو دونوں حالت میں برابر تھا۔ پھر ایک صورت میں فرحت کم کیوں ہوئی اور اس سے تو یہ روپیہ باذن مالک اگر مؤذن کو دے دیا جاتا تو اولیٰ تھا۔ مگر اس کو کیوں دیتے نام کیسے ہوتا۔ کیا یہ اسراف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اسراف کے معنی ہیں صرف المال بلا غرض محمود اور غرض کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ اول غرض رفع ضرورت ہے یعنی ہر چیز کو

اس مقدار پر اختیار کرنا کہ اس سے کم میں نہ ہو سکے۔ کپڑا پہنے سے تین غرضیں ہیں مثلاً لباس کہ درجہ اول اس کی غرض کا رفع ضرورت ہے۔ یعنی ستر اور یہ غرض ٹاٹ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسری غرض آسائش ہے۔ یہ لباس میں ٹاااٹ سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ سردی کے موسم میں تھوڑی روئی کے لحاف سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک کافی روئی نہ ہو۔ شریعت میں اس کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ تیسری غرض آرائش ہے اور یہ بھی شریعت میں جائز ہے۔ ان اللہ جمیل ویحب الجمال اللہ تعالی جمال والا ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے) الصحیح لمسلم کتاب الایمان: ۱۳۱:۷، مسند احمد ۴: ۱۳۳، مشکوۃ المصابیح ۵۱۰۸)

پس آرائش مباح ہے اور اس میں طبائع مختلف ہوتی ہیں۔

بعضوں کی غرض تو آرائش سے تحدیث بالنعمہ یعنی خدا تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہوا کرتی ہے اور یہ محمود ہے اور بعضوں کی غرض آرائش سے یہ ہوتی ہے کہ محتاج لوگ اس کی وسعت کو دیکھیں اور اپنی حاجت کا سوال کریں۔ اور ایک غرض عشاق کی آرائش سے ہے (جیسا حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے) وہ یہ کہ اللہ میاں کو اچھا معلوم ہو اور اس سے اچھی کوئی غرض نہیں ہو سکتی۔ دکھایا بھی جائے تو اللہ میاں کو۔ اور ایک غرض مباح ہے آرائش سے وہ یہ کہ اپنے ہی نفس کو لذت و فرحت ہو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ یہ غرض صرف مال کی تو محمود ہیں اور اغراض میں سے ایک غرض مذموم بھی ہے اور وہ ریاو نمائش ہے تو جان لو کہ اول تو نفس ریاء ہی جائز نہیں پھر اس کثرت چراغ کے متعلق

ایک دوسرا مقدمہ اور قابل نظر ہے وہ یہ کہ معصیت کو معصیت سمجھ کر کرنا اسہل (زیادہ آسان) ہے اس سے کہ معصیت کو دین سمجھ کر کیا جائے تو چراغ ریاء کے لئے جلائے جاتے ہیں اور ریاء معصیت ہے۔ پھر یہ لوگ اس کو دین اور ثواب سمجھتے ہیں تو کتنی سخت بات ہوئی۔ یہ قباحتیں ہیں روشنی میں۔ علاوہ بریں اہتمام کرنے والے تو روشنی ہی میں مشغول رہتے ہیں۔ نماز میں ان کا دل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات جس میں شرکت بھی نہیں ہوتی۔ اس روز کی تراویح ان کو معاف ہو جاتی ہے کہیں صفوں کے بیچ میں پھرتے ہیں کہیں ایک صف سے دوسری صف میں جاتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی گردنوں کو پھلانگے گا اس کو پل کی طرح ڈال دیا جائے گا

قیامت کے روز کہ مخلوق اس پر ہو کر گزرے گی۔ اتنے احکام کی مخالفت لازم آتی ہے۔ روشنی میں میں کہتا ہوں قرآن شریف اور احادیث کے احکام کیا اس لئے ہیں کہ بت پرست اس پر عمل کریں یا نصاری عمل کریں اور مسلمان اپنے ہاتھوں میں لے کر بس فخر ہی کر لیا کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں شکایت فرمادیں "یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا" قرآن کو صرف اپنے گھروں میں رکھنا اور زبان سے پڑھنا کافی نہیں بلکہ جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو بھی دیکھو اور دل پر اثر ڈالو۔

ختم کی مٹھائی کے منکرات

اور ایک منکر ختم کے دن شیرینی کا تقسیم کرنا ہے اور اس کا منکر ہونا اگرچہ خلاف ظاہر ہے مگر میں سمجھائے دیتا ہوں یہ مٹھائی اگر ایک شخص کی رقم سے آتی ہے تو اس کا مقصود ریاء واشتہار وافتقار ہوتا ہے اور اگر چندہ سے ہوتی ہے تو اس کے تحصیل میں جبر سے کام لیا جاتا ہے اور جبر جیسا ایلام بدن سے ہوتا ہے ایسا ہی ایلام قلب سے بھی۔ جب دوسرے کو دبایا شرمایا جبر میں کیا شبہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا حکم اسی غصب کا سا ہے جو لاٹھی کے زور سے ہو۔ اللہ میاں اس تھوڑے ہی میں برکت دیتے ہیں جو رضا وخوشی کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا خیال بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں۔ مساجد کا استحکام ضروری ہے، نقش ونگار ضروری نہیں بلکہ نا جائز ہے

اکثر مسجدوں کے لئے بھی لوگوں سے محصّل (حاصل کرنے والے) کی وجاہت کے ذریعہ سے وصول کرتے ہیں پھر اس میں بھی بعضے محض فضول زینت کے لئے جس کی ممانعت آئی ہے اگرچہ اپنے ہی مال سے ہو۔ ہاں استحکام منع نہیں ہے۔ مصالحہ عمدہ لگایا جائے۔ معمار تجربہ کار ہوں۔ اینٹ پختہ ہو۔ آرائش بالطبع کسی قدر ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی تو کسی درجہ میں ضرورت ہی نہیں کہ لوگوں سے غصب کر کے آرائش میں خرچ کیا جائے۔ مسجد چھپّر کی بھی ادائے نماز کے لئے کافی ہے بلکہ جو مقصود ہے یعنی خشوع وہ چھپّر میں پکی مسجد سے کچھ کم نہیں ادا ہوتا بلکہ اس کے تو نقش و نگار میں ہی خیال بٹ جاتا ہے اور وہ اس سے محفوظ ہے تو جب اصل مقصود ہی حاصل نہ ہوا تو یہ تزئین کیا کرے گی۔

ایسا ہی حال ہے مٹھائی میں کہ اس میں بھی کہیں جبر کہیں تفاخر ہوتا ہے اور اس کا امتحان یوں ہو سکتا ہے کہ اگر وسط صلوۃ میں آدمی زیادہ جمع ہو جائیں تو مٹھائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔ نمازیوں کو بھی اور مہتممین کو بھی مہتممین کو تو اپنی آبرو کی پڑ جاتی ہے اور نمازیوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اب ایک ہی ایک بتاشہ ملے گا۔ خشوع تو کوسوں دور گیا۔ مٹھائی کیا آئی کہ اتنے گناہ چپکا لائی۔ علاوہ بریں اکثر عام بے نماز لوگ آتے ہیں اور تعجب نہیں کہ بعضے جنب سے (جنابت والے) بھی ہوں پھر لوگ باتیں کرتے اور مغالطے دیتے ہیں اور لغویات بکتے ہیں۔ غیبتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا ظلم سمیٹتے ہیں۔

مولد شریف کی مٹھائی بھی ایسی ہی ہے،

یہی حال ہے مولود شریف کی مٹھائی کا۔ بعضے لوگ اس میں عرب کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اول تو کسی کا فعل حجت نہیں۔ پھر تم اپنے فعل کو ان کے فعل پر قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی تو ایسی بے تکلف عادت ہے کہ جب کچھ آدمی رہ جائیں اور مٹھائی ختم ہو جائے کہہ دیتے ہیں خلاص۔ یعنی ختم ہو چکی ان کو یہاں کی طرح آبرو وغیرہ کی فکر نہیں ہوتی جس کو پہنچ گئی پہنچ گئی نہ پہنچے تو کچھ خیال نہیں۔ پس کہاں تمہارا فعل اور کہاں ان کا فعل

کار پاکان را قیاس از خود مگیر۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر (نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ شیر درندہ اور شیر (دودھ) ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے) میں کہتا ہوں شیرینی کی ایجاد کی وجہ اصل میں اظہار مسرت ہے شکر اللہ علی حصول النعمۃ۔ لیکن جب مباح (جائز)

میں ایک منکر منضم ہو جائے بلکہ مستحب میں بھی تو اس کا ترک ضروری ہے اور اس سے تو یہ بہتر ہے کہ محتاجوں کو دے دیا جائے۔ جو روپیہ مٹھائی میں صرف ہوتا ہے محتاج کی خبر گیری بالاتفاق امر حسن ہے۔ تمام زمانہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہو گا اور نہ منکرات لازم آئیں گے جو نماز میں مخل تھے اور شیرینی میں فی نفسہ کچھ حرج نہیں بلکہ حرج اس ہئیت میں ہے بلکہ اس ہئیت کے ساتھ بھی فسادات دور ہو جائیں فساد لازم بھی اور فساد متعدی بھی۔ اور اس کے لئے پچاس برس سے کم میں کافی نہیں سمجھتا۔ جب کہ اصلاح کا سلسلہ برابر جاری رہے اور اصلاح میں اس وقت یہ کافی نہیں کہ خاص لوگ منکرات سے بچ جاویں کیونکہ عوام اپنے فعل کے لئے اس کو سند گردانیں گے۔

اور عوام سے جلدی ازالہ منکرات کی توقع نہیں۔ پس اس وقت اصلاح یہ ہے کہ یہ عمل بالکل ہی ترک کر دیا جائے اور پھر اصلاح عقیدہ کا سلسلہ جاری رہے جب عام طور سے عقیدے درست ہو جاویں تب میں بھی اجازت دے دوں لیکن اب تو بس ترک ہی کرایا جاوے گا۔ غور کر لیجئے۔ اور لا تقربوا الصلوۃ (نماز کے قریب نہ جاؤ) کا قصہ نہ کیجئے۔

جہاں شیرینی کا جواز ہے وہاں ان منکرات کی حرمت بھی ہے اور جب تک دونوں جمع ہیں حرمت ہی کو ترجیح ہو گی۔

عید کے دن کی ایک بدعت کا بیان

منجملہ اور رسوم کے ہمارے قصبات میں ایک یہ رسم ہے کہ عید کے دن سحری کے وقت اذان فجر کا انتظار کرتے ہیں اور اذان کے وقت کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو۔ پھر کچھ کھاتے ہیں تو ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا۔ شوال کی پہلی رات بھی گزر گئی اور ان کے یہاں ابھی روزہ ہی ہے۔ حدیث شریف میں تو افطروا لروتیہ (چاند دیکھ کر عید الفطر کرو) (فتح الباری ۴:۱۱۹، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱:۲۸۶) اور ان کے یہاں ایک شب اور گزرنا چاہیے اور کوئی یہ نہ کہے کہ "افطروا لروتیہ" پر عمل تو ہو گیا چاند دیکھ کر افطار کر لیا تھا۔ اب رات میں کھانا نہ کھانا اور اذان کے وقت کھانا اپنا فعل ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ انکار اکل یا عدم اکل پر نہیں بلکہ یہاں عقیدہ میں فساد ہے

چنانچہ اس کو روزہ کھولنے سے تعبیر کرنا اس کی دلیل ہے اور یہ زیادت فی الدین نہیں تو کیا ہے ایسے موقع پر تو بالقصد رسم توڑنے کے لئے فجر سے پہلے ہی کھانا چاہیے۔ ایک مدت تک میں اس خیال میں رہا کہ علماء کیوں پیچھے پڑے ہیں نکاح ثانی کے، جائز ہی تو ہے کیا کیا، نہ کیا نہ کیا۔ پھر سمجھ میں آیا کہ حرج صدر سے نہیں نکلتا مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے اس لئے رسوم میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے اور میرا یہ مطلب نہیں کہ عید کی شب میں کھانا فرض ہے۔ بلکہ اخراج حرج کے لئے ایسا کرنے سے ضرور ماجور ہو گا۔ اس کی نظیر میں حدیث شریف میں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منع فرما دیا۔ بعضے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے پھر فرماتے ہیں کنت نھیتکم عن الدباء والحنتم فانبذوا فیھا

فان الظرف لایحل شیئا ولا یحرم (المصنف لابن ابی شیبۃ (۳۴۴۴:۳) یعنی پہلے میں نے منع کر دیا تھا اب اس میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد بیان فرماتے ہیں۔ کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے۔ پھر باوجود اس کے بھی منع فرمادیا تھا۔ صرف وجہ یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں۔ تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کر سکیں گے اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لئے خمر سے پورا اجتناب نہ کر سکیں گے اور گنہ گار ہوں گے۔ پس پورے اجتناب کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقاً روک دیا جائے جب طبیعتیں خمر سے بالکل نفور ہو جائیں اور ذرا سے نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔ اسی طرح ان رسموں کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں

اور ان منکرات کو پہچانتے نہیں جو ان کے ضمن میں ہیں تو اس کے لئے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ چند روز اصل عمل ہی کو ترک کر دیں اور یہ بات کہ اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہو جائیں سو ہمارے امکان سے تو باہر ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا ہیں اس کے سوا اور تدبیریں اختیار کرتے پھریں اور جب ایک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً ثابت ہو چکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے۔ ایک رسم عید کے دن ایک کھانے کی تعیین کی ہے کہ سویاں ہی پکائی جاتی ہیں اس میں ایک مصلحت ہے جس کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس کی تیاری میں زیادہ بکھیڑے کی ضرورت نہیں اور دن عید کا کام کاج کا ہوتا ہے

اور مستحب ہے کچھ کھا کر عید گاہ کو جانا اس لئے سہل الحصول چیز کو اختیار کر لیا۔ بعد ازاں دوست احباب کے یہاں بھیجنے کا رواج ہو گیا اس کی نظیر میں تہادی الی العروس کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوا ہے۔ یوں کہتے ہیں کہ جیسے دولہا کے پاس خوشی کا دن دیکھ کر ہدیہ بھیجنا مستحسن ہے اسی طرح عید کا دن بھی خوشی کا ہے۔ احباب کے پاس کیوں تحفے نہ بھیجے جائیں۔ میں کہتا ہوں مقیس علیہ ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہر چند کہ تہادی الی العروس فی نفسہ موجب زیادتی محبت ہے لیکن واللہ بطریق رسم بھیجنا بغض کو بڑھاتا ہے۔ تجربہ اس پر دال ہے۔ ہاں خلوص کے ساتھ بھیجنے سے محبت بڑھتی ہے جیسا کہ دو دوست آپس میں ہدیہ کبھی کبھی بھیج دیا کریں اور رسم سے تو محبت بڑھتی نہیں۔

رسم سے ہدیہ بھی ناجائز ہوجاتا ہے

محبت اور خلوص کا جو اعلیٰ فرد ہے اس کو دیکھئے کہ رسم کو دخل دینے سے کیا حقیقت اس کی رہ جاتی ہے اور وہ فرد وہ محبت ہے جو پیر و مرید میں ہوتی ہے کہ ایسی کہیں دو شخصوں میں نہیں پائی جاتی کہ جان سے زیادہ عزیز مرید کے نزدیک شیخ ہوتا ہے اور مال تو کیا چیز ہے اور کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں نذر گزارا کرتے ہیں اور اس سے خلوص بڑھ جاتا ہے مگر جب اس نذر کو رسم قرار دے دیا تو دیکھ لیجئے کہ زمانہ کی پیری مریدی کا کیا حال ہے۔ خلوص تو کیسا جس جگہ پیر صاحب پہنچ گئے۔ مرید آپ آپ کو چھپنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ چندہ کی فہرست آپہنچے۔ دعائیں مانگنی پڑتی ہیں کسی طرح پیر صاحب جلدی ٹلیں۔

اب فرمایئے کہ فی نفسہ تو شیخ کو ہدیہ دینا موجب محبت تھا یہاں موجب بغض کا ہے سے ہو گیا صرف رسم سے۔

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ ایک مدت تک انہوں نے حضرت حاجی صاحب کے پاس خط نہیں بھیجا۔ میں نے ان سے وجہ پوچھی تو کہا میں اس عرصہ میں خالی ہاتھ تھا فکر میں ہوں کچھ روپیہ کہیں سے مل جائے تو عریضہ لکھوں میں نے کہا اس خیال میں مت پڑو۔ اب تو ضرور بلا ہدیہ خط بھیجو۔ اب دیکھ لیجئے کہ اس عرصہ تک اس خیال نے ان کو استفادہ سے روک دیا۔ فی نفسہ حسن ہو مگر قید رسم سے قبح (برائی) آگیا

ایسے ہی عید کے دن کے ہدیہ ہیں۔

اس زمانہ کا ہدیہ اقراض ہے

اور اگر غور کیجئے گا تو ان ہدایا کو قرض پائے گا کیونکہ دیتے وقت یہ ضرور نیت ہوتی ہے کہ اس کے یہاں سے بھی آئے گا اور اگر ایک مرتبہ نہ آئے تو ادھر سے بھی بند ہو جاتا ہے اور ہدیہ کی تعریف میں بلا عوض کی شرط ماخوذ ہے پس یہ ہدیہ بھی نہ رہا۔ پھر قرض دار ہونے سے یا قرض دار کرنے سے کیا فائدہ؟ حاصل یہ کہ جن اعمال میں فساد ہے ان اعمال سے ہی اجتناب چاہیے ذراسی خوبی کو دیکھ کر بڑے بڑے منکرات میں پڑ جانا عقل سے بعید ہے۔ اب بیان ختم کرتا ہوں اور اصل مقصود کا خلاصہ پھر مختصر اعادہ کرتا ہوں کہ روزہ رکھا مگر پیٹ حرام سے بھرا اور دن کو بھی غیبت وغیرہ میں مبتلا رہے تو یہ روزہ کس شمار میں ہے۔

حاصل یہ کہ روزہ کے آداب سیکھو اور عورتوں کو بھی سکھاؤ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم من صائم و قائم الحدیث (مسند احمد ۳: ۴۴۱، سنن الدارمی ۲: ۳۰۱، مشکوۃ المصابیح: ۲۰۱۴) یعنی بہت سے روزہ رکھنے والے اور قیام اللیل کرنے والے وہ ہیں کہ ان کی بھوک اور پیاس کی طرف اللہ میاں کو کچھ حاجت نہیں اور آداب کے موافق اگر ختم کر لیا تو اس کے حق میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشفعان یعنی روزہ نماز دونوں شفاعت کریں گے پس اس شخص کے ساتھ دو محافظ موجود ہوں گے۔ عذاب سے بچانے کے لئے۔ پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس کے دو محافظ سرکاری موجود ہوں کیا اس کی نجات نہ ہو گی۔

خدائے تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔